ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

عیسائی۔ اسلامی کانفرنس اور اُسکے مقاصد

کوئی چار برس ہوئے ہیں کہ مجھ کو ایک امریکی یونیورسٹی سے دعوت نامہ وصول ہُوا کہ میں ان کی نیچرل لا کانفرنس میں شرکت کروں۔ اور اس کانفرنس کو اس موضوع پر مخاطب کروں کہ اسلام میں قوانینِ فطرت کا کیا تصوّر ہے؟ نوٹرڈیم یونیورسٹی ایک عظیم الشان کیتھولک یونیورسٹی ہے۔ وہاں اور یونیورسٹیوں کی طرح ہر قسم کے علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مگر مذہبی تعلیم کا پہلو بہت نمایاں ہے اور پادری معلّمین کی بہت کثرت ہے۔ امریکہ میں جن پروٹسٹنٹوں سے میں ملا، اور ان سے ذکر کیا کہ میں نوٹرڈیم یونیورسٹی کی دعوت پر اسلام کے نظریۂ آئینِ فطرت پر ایک کانفرنس کو مخاطب کرنے آیا ہوں، تو انہوں نے بہت تعجّب کا اظہار کیا کیتھولک عام طور پر مذہبی عقائد میں بہت کٹر شمار ہوتے ہیں۔ اور عیسائیوں کے دوسرے فرقوں سے بھی کسی قسم کا واسطہ رکھنا گوارا نہیں کرتے، چہ جائیکہ سات سمندر پار سے ایک مسلمان کو کثیر رقم خرچ کر کے مدعو کریں کہ وہ ان کو ایک اہم موضوع پر اسلام کا زاویۂ نگاہ بتائے۔ نوٹرڈیم پہنچ کر اس دعوت کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ اس یونیورسٹی کے ایک وسیع الخیال اور وسیع المشرب ڈین (میر شعبہ) کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ دین کے معاملے میں تمام دنیا کیتھولک ہی تو نہیں عیسائیوں کے اور متعدد فرقے بھی موجود ہیں جن کے اندر کثرت سے ایسے راسخ العقیدہ افراد پائے جاتے ہیں جو مفکر بھی ہیں۔ ایک اہم دینی موضوع پر ان کے افکار سے بھی آگاہی ہونی چاہیئے۔ اور صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ کسی عقیدے کے متعلق ایسے لوگوں سے براہِ راست بات پوچھنی چاہیئے جو وہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس خیال کو وسعت دے کر انہوں نے یہ سوچا کہ عیسائیت کے باہر بھی ادیانِ عالیہ موجود ہیں۔ کروڑوں کی تعداد میں بدھ مت ہندو دھرم اور اسلام کے پیرو ہیں۔ یونیورسٹیاں خالی تبلیغی ادارے نہیں ہوتیں۔ ان کا مقصد اہم مسائلِ حیات و کائنات کی بابت تحقیق و تدقیق ہے۔ لہٰذا ایک مذہبی موضوع کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے اور تقابلی مطالعہ کے لئے یہ لازم ہے کہ سب ادیان کے نمائندوں کو مدعو کیا جائے لیکچروں کے بعد سوال و جواب اور تبادلۂ افکار کے لئے وقت مقرر تھا۔ بعد ازاں تمام خطبات ایک کتاب کی صورت میں چھاپ دیئے گئے۔

اتنا دور دراز سفر کر کے ایک ایسے ملک میں جانا جو وسعت میں نصفِ جہان معلوم ہوتا ہے۔ اور جس میں مغربی تہذیب ایسے کمال کو پہنچ گئی ہے جو اس کو یورپ میں حاصل نہ ہو سکا۔ اور وہاں سے بعجلت وطن کی طرف مراجعت نامعقول بات معلوم ہوئی۔ لہٰذا میں نے اپنی خوشی سے ممالک متحدہ کے طول و عرض میں کوئی چار ماہ کا خطیباتی دورہ اپنے ذمے لے لیا۔ اس ملک کی وسعتیں لامحدود معلوم ہوتی ہیں۔ اگر ہوائی جہاز جیسی سریع السیر سواری وجود میں نہ آگئی ہوتی، تو اس ملک کے تمام مقامات کا سفر کرنے اور ہر جگہ تھوڑا تھوڑا قیام کرنے کے لئے بھی ایک عمر چاہیئے۔ تین چار ماہ میں جتنی گردش ہو سکتی تھی میں نے کی۔ اور لاتعداد لیکچر دیئے۔ موضوع تین قسم کے تھے۔ (۱) اسلامی عقائد (۲) اسلامی تہذیب اور (۳) پاکستان۔ اس دورے میں مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ پڑھے لکھے لوگ بھی اسلام اور

مسلمانوں کی دنیا سے ناآشنا ہیں۔ چند سُنی سنائی باتیں اور لغو تصورات و تعصبات کے سوا اس بارے میں ان کا سرمایۂ علم جہل کے برابر ہے لیکن ساتھ ہی یہ خوش آیند احساس بھی ہوا کہ اگر ان کو صحیح بات بتائی جائے۔ اور معقول طریقے سے ان کی ذہنیت کو پیش نظر رکھ کر بات کی جائے۔ تو وہ اس کو بہ تشکر قبول کرنے پر آمادہ ہیں۔ مگر افسوس کہ عصر حاضر کی عقلی اور آزاد خیال دُنیا کو یقین اور طریقے سے مخاطب کرنے والے مسلمان الشاذ کالمعدوم ہیں۔ ہمارے جامد ملائی اسلام سے جو حقائق حیات سے مطلقاً بیگانہ ہے خود روشن خیال اور اسلام دوست مسلمان بیزار ہیں بھلا غیر مسلم اس سے کیا متاثر ہونگے۔ اگر اصلی اسلام کو معقول طریقے سے پیش کیا جائے۔ اور پیش کرنے والا فلسفہ اور علوم و فنون سے بے بہرہ نہ ہو تو ہمارے نوجوانوں میں بھی روح اسلام بیدار ہوسکتی ہے اور غیر مسلموں میں بھی اسلام کی سچائی کا یقین پیدا ہوسکتا ہے۔

اس دورے کے کوئی دو برس بعد مجھ کو ایک امریکی جماعت "فرینڈز آف دی مڈل ایسٹ" (مشرقِ وسطیٰ کے دوست) کی طرف سے ایک دعوت نامہ ملا کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان اچھے تعلقات پیدا کرنے اور تعصبات کو رفع کرنے کے لئے لبنان کی پُرفضا پہاڑیوں میں بحمدون کے مقام پر ایک کنونشن میں شریک ہوں۔ اس میں شریک ہونے کے لئے کوئی چالیس عیسائی تمام عیسوی دنیا سے اور اسی قدر مسلمان تمام عالم اسلامی سے مدعو تھے۔ خطبات کے لئے کوئی دس بارہ موضوعات منتخب کئے گئے تھے۔ اور طریقِ عمل یہ تھا کہ ہر شخص اپنے مذہب اور اپنے عقاید و روایات کی بنا پر ان موضوعات کے متعلق اظہار خیال کرے۔ اپنے عقائد کو مدلّل اور مہذب طریقے سے پیش کرے۔ اور دوسروں کے عقائد پر کوئی متعصبانہ حملہ نہ کرے۔ اور جہاں تک ہوسکے ان تعلیمات و عقائد کو واضح کرے جو اسلام اور دین عیسوی میں مشترک ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ مسلمان نمایندوں کو ان خطبات اور تبادلۂ افکار سے کیا فائدہ پہنچا، لیکن یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ اکثر عیسائیوں کو زندگی میں پہلی مرتبہ معقول اور دلنشیں اسلام سے واقفیت حاصل ہوئی اور اس بات کا یقین ہوا کہ زندگی کی بنیادی حقیقتوں کے متعلق ان کے زوایائے نگاہ بہت کچھ مماثل ہیں۔

میں نے اپنے لیکچر کے آغاز ہی میں یہ کہا کہ اے اہل کتاب جو خیال اب تمہارے دل میں آیا ہے اسے قرآن نے چودہ سو برس پیشتر پیش کیا تھا۔ اسلام کو اہل کتاب کے بعض عقائد سے اختلاف تھا، لیکن یہ احساس بھی موجود تھا کہ ان مذاہب میں بہت کچھ قدر مشترک ہے۔ سب خدا کے قائل ہیں۔ دُعا کو مؤثر جانتے ہیں۔ اخلاقی اقدار بہت کچھ مشترک ہیں جسمانی موت کو انجام حیات نہیں سمجھتے۔ آخرت اور جزا و سزا کے قائل ہیں۔ خدا کو رب اور رحیم و کریم مانتے ہیں۔ انسانوں کے ساتھ عدل و رحم کے سلوک کو جوہر دین سمجھتے ہیں غلوفی الدین سے ان میں اختلافات پیدا ہوگئے ہیں۔ لیکن روحانیت اور انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ فروعی اختلافات کو چھوڑ کر اصول فکر و عمل میں اشتراکِ عمل پیدا کیا جائے۔ قرآن ایک وسیع المشرب صحیفہ ہے۔ وہ صرف پیروانِ محمدؐ ہی کا مداح نہیں، بلکہ اہلِ کتاب میں سے سچے دینداروں کی تعریف میں بھی رطب اللسان ہے۔ وہ صرف مسلمانوں کو نجات کا اجارہ دار نہیں سمجھتا۔ بلکہ جو شخص خدا کے سامنے سر تسلیم خم کرکے اس کے بندوں سے حُسن سلوک برتتا ہے اس کو مژدہ دیتا ہے کہ تم کو رب العالمین جو صرف رب المسلمین نہیں خوف و حزن سے نجات دلوا کر اپنی رحمت کے سائے میں رکھے گا۔ میں نے عرض کیا کہ تم کو اب خیال پیدا ہوا کہ تم میں اور ہم میں بنیادی طور پر

بہت کچھ مشترک ہے یا ہو سکتا ہے۔ قرآن نے چودہ سو برس پیشتر علی الاعلان یہ دعوت دی تھی کہ :

یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃٍ سواءٍ بیننا و بینکم۔ — اے اہلِ کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں مساوی طور پر پائی جاتی چاہئے۔

اور وہ یہ ہے کہ لائقِ پرستش اِلٰہ فقط ایک ذاتِ واحد ہے اور کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا آقا اور معبود نہیں ہو سکتا۔ اس کا لبِ لباب عقیدۂ توحید ہے جس سے وحدت و مساواتِ انسانی بطور نتیجہ اخذ کی گئی ہے۔ آج کل لوگ اسے حریّتِ انسانی یا جمہوریت کہتے ہیں جس کی طرف اقوام راغب ہیں۔ اسلام نے یہ عقیدہ وضاحت کے ساتھ اس دعوت میں پیش کیا کہ ان بنیادی حقائق پر اختلافِ شرائع و شعائر کے باوجود دیندار لوگ متفق ہو کر برّ و تقوٰے میں تعاون کر سکتے ہیں۔ خدائے اسلام کو اس کا علم تھا کہ تمام فروعی باتوں پر اور تمام مناہج پر ساری نوعِ انسان کبھی متفق نہیں ہو سکتی۔ قرآن کہتا ہے کہ اگر خدا چاہتا تو سب انسانوں کو ایک جیسا مومن بنا دیتا۔ لیکن انسانوں کی آزادئ فکر و عمل کو سلب کر کے خدا نے ایسی یکسانی پیدا کرنے کو درست نہ سمجھا :

کل حزبٍ بما لدیھم فرحون۔ — ہر گروہ اپنے اندازِ حیات میں مست ہے

بنی نوعِ انسان کی فطرت ہے۔ اور اسلام غیر فطری باتوں کا تقاضا نہیں کرتا۔

اس کانفرنس میں جو مضامین پڑھے گئے، ان کو سُن کر میرے اس خیال میں تقویت پیدا ہوئی کہ خدا کے قائل تمام معقول انسانوں کے نزدیک اقدارِ حیات بہت کچھ مساوی اور ہم رنگ ہیں۔ لیکن ہر گروہ ان کو اپنے مذہب اور اپنی مذہبی روایات سے اخذ کرتا ہے۔ اکثر اوقات اصطلاحیں مختلف ہوتی ہیں۔ لیکن معانی میں اختلاف نہیں ہوتا۔ کم نظر لوگ اختلافِ اصطلاح کو اختلافِ عقیدہ سمجھ کر ایک دوسرے سے دست و گریبان ہوتے ہیں لیکن جو شخص مختلف اصطلاحوں کو معنوی نظر سے دیکھے وہ الفاظ کی پیکار کو بیکار سمجھتا ہے۔ اس لئے صوفیاء اور حکماء میں وہ جدال نظر نہیں آتا جو مختلف ادیان کے فقہاء میں پایا جاتا ہے۔ عارفِ رومی نے اس کو ایک حکایت میں بیان کیا ہے کہ ایک جگہ انگور پڑے تھے اور وہاں چار اشخاص آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ ایک ایرانی تھا ایک عرب ایک یونانی اور ایک رومی۔ ایرانی نے کہا کہ یہ انگور ہیں۔ عرب نے کہا کہ تم نہیں جانتے اس کو عنب کہتے ہیں۔ یونانی نے کہا کہ تم دونو غلط کہتے ہو اسے استافیل کہتے ہیں۔ اسی طرح رومی نے اپنی زبان کا لفظ استعمال کیا: ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو درست اور دوسرے کو غلط سمجھنے پر مُصر تھا۔ یہاں تک کہ ایک پانچواں شخص وہاں آن پہنچا جو چاروں زبانیں جانتا تھا۔ اس نے کہا کہ کیا بیکار جھگڑ رہے ہو۔ تم سب سچے ہو۔ ایک ہی شے کے لئے اپنی اپنی زبان کا لفظ استعمال کر رہے ہو۔ اختلافِ الفاظ کا چیز کی ماہیت پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کانفرنس کے ایک سربرآوردہ امریکی رُکن نے بیان کیا کہ یورپ میں بعض عیسائی پادریوں نے مجھ سے کہا کہ کیا تمہارا منشا ہے کہ ہم اپنے خدا اور مسلمانوں کے اللہ کو ایک ہی سمجھ لیں۔ ہم تو خدا کو مانتے ہیں اللہ کو ہم کیسے مان سکتے ہیں۔ اور فرمایا کہ یہی پڑھے لکھے متعصب جہلا ہیں جو اپنی اقوام میں دین کے پیشوا بنے ہوئے ہیں۔ اور انہی لوگوں نے دین کو ذریعۂ تفرقہ بنا رکھا ہے۔ اللہ خدا کے لئے عربی لفظ

ہے۔ اور اگر کوئی عرب عیسائی بھی ہے تو بھی وہ خدا کے لئے اللہ ہی کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اور مسلمان جب انگریزی زبان میں خدا کا ذکر کرتا ہے تو اللہ کا لفظ استعمال نہیں کرتا بلکہ گوڈ کا لفظ استعمال کرتا ہے۔

جب اس پر بحث ہوئی کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کی باہمی دوستی میں کیا امور حائل ہیں تو مسلمانوں نے بیک زبان کہا کہ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ جب تک عیسائی مشنری اور مصنفین محمد رسول اللہ کا ذکر کرتے ہوئے تحقیر آمیز اور دل آزار الفاظ استعمال کرتے رہیں گے تب تک ان دو ملتوں میں رابطۂ مودت استوار نہیں ہو سکتا۔ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ اگر دوسروں کے معبودوں کو موہوم اور باطل بھی سمجھو تو بھی ان کا ذکر کرتے ہوئے دشنام و سب و شتم سے پرہیز کرو۔ اگر تم ان کے جھوٹے معبود کو گالی دوگے تو وہ تمہارے سچے خدا کی نسبت گستاخی سے کام لیں گے۔ اگر کسی شخص نے دوسرے کو ماں کی گالی دی، تو وہ پلٹ کر اس کو ماں کی گالی دیگا۔ جس شخص نے اس گالی گلوچ کا آغاز کیا، وہ خود اپنی ماں کے لئے گالی کا محرک ہو کر شدید بداخلاقی میں مبتلا ہؤا۔

یہ امریکی جماعت مسلسل اس میں کوشاں ہے کہ عیسائیوں کو اصل اسلام کی خوبیوں کا علم ہو۔ اور نفرت انگیز تعصبات کی بیخ کنی ہو۔ آپ کو یہ معلوم کرکے شاید تعجب ہو کہ اس جماعت میں کچھ پادری بھی شریک ہیں۔ جو راسخ العقیدہ عیسائی ہیں۔ لیکن اس کے آرزومند ہیں کہ جس طرح ہم مسلمانوں سے یہ تقاضا کرتے ہیں کہ وہ عیسوی عقائد اور عیسوی زندگی کا منصفانہ اور ہمدردانہ مطالعہ کریں اسیطرح عیسائیوں کے لئے بھی یہ لازم ہے کہ وہ مسلمانوں اور اسلام کو نظرِ انصاف سے دیکھیں۔ اور

عیبِ او جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

پر عمل کریں۔ حضرت مسیح تو محبت کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے یہ تعلیم دیتے ہیں کہ دشمنوں سے بھی محبت کرو۔ مسلمان تو بحیثیت ملت نہ کبھی عیسائیوں کے دشمن تھے اور نہ ہیں۔ تاریخ میں جو عیسائیوں اور مسلمانوں کی مسلسل کش مکش نظر آتی ہے جس کا بدترین مظاہرہ صلیبی جنگوں میں ہؤا وہ ادیان کی لڑائی نہ تھی۔ جہاں کوئی سیاسی کش مکش اور دنیاوی اقتدار کی پیکار نہ تھی، وہاں مسلمان اور عیسائی صدیوں تک اچھے ہمسایوں کی طرح زندگی بسر کرتے رہے۔

اس کے بعد یہ سوال پیدا ہؤا کہ مشنری کوششوں اور تبلیغ دین کی مساعی کی نسبت کیا رویہ ہونا چاہیئے۔ دونوں ملتوں کے نمایندے اس پر متفق تھے کہ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ دوسرے کو اپنے عقیدے کی صداقت کا یقین دلائے۔ میں نے ایک امریکی یونیورسٹی کے صدر سے کہا کہ تبلیغ عیسویت کا ایک منظم اور ہمہ گیر نظام تو تمہارے ہاں ہی پایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے ہاں تو کوئی قابلِ ذکر تبلیغی نظام نہیں۔ تو اس نے یہ جواب دیا کہ تم کو کبھی اس کی ضرورت اس لئے پیش نہیں آئی کہ ملتِ اسلامیہ کا ہر فرد کم و بیش مشنری ہوتا ہے اور بلاواسطہ یا بالواسطہ اس کی یہ آرزو رہتی ہے کہ غیر مسلم کو اسلام کا قائل کرے۔ اسی وجہ سے اسلام دنیا میں پھیلا ہے اور اب بھی پھیل رہا ہے۔ افریقہ ہی کو دیکھ لو کہ تمام مشن اپنے غیر معمولی ذرائع اور سیاسی ہمت افزائی کے باوجود اسلام کے مقابلے میں دسواں حصّہ بھی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ ایک اور امریکی شخص نے کہا کہ میرا باپ شمالی افریقہ میں بشپ تھا۔ اور اپنی زندگی کا مقصد یہ بتاتا تھا کہ افریقہ کو اسلام سے بچایا جائے۔ میں نے ہنس کر کہا کہ افسوس ہے کہ تمہارا باپ اس

مقصد کے حصول میں ناکام ہی رہا۔

آپ پوچھیں گے کہ ان امریکنوں کو جن میں کچھ پادری بھی شامل ہیں اب اسلام کو اچھی طرح سمجھنے، اس کی خوبیوں کو اُجاگر کرنے اور مسلمانوں سے رشتۂ اخوت قائم کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ اس کا کھلا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ الحادی اشتراکیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنا چاہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ سیلاب اس قدر تیز رَو اور ساحل شکن ہے کہ تنہا عیسائی اس کا مقابلہ نہ کرسکیں گے عیسوی دنیا کو اس جنگِ کفر و ایمان میں حلیفوں کی ضرورت ہے عیسوی دنیا سے باہر اسلامی دنیا ایک عالمی ملت ہے جو کرۂ ارض کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیلی ہوئی ہے۔ اگر فروعی اختلافات سے قطع نظر کیا جائے، تو ان کے اقدارِ حیات اور مقاصدِ زندگی یکساں ہیں۔ خدا کو ماننے والی تمام ملتیں اپنی روحانی اور اخلاقی زندگی میں بہت کچھ ہم رنگ ہیں۔ جس طرح ہر قسم کے کفار کی نسبت یہ کہنا درست ہے کہ الکفر ملۃٌ واحدہ، اسی طرح خدا کی ماننے والی تمام ملتیں بھی بنیادی طور پر ملتِ واحدہ ہیں۔ یا انہیں ملتِ ہونے کا احساس ہونا چاہیئے۔ ایسے تمام خدا پرست حلیف ہوسکتے ہیں۔ اب زمانے کا تقاضا یہ نہیں کہ ایک دین کے مختلف فرقے ایک دوسرے کو کافر قرار دیں۔ یا مختلف ادیانِ سماوی آپس میں سر پھٹول کریں۔ اگر دنیا کے ایک وسیع حصے کے ملحد باہمی اتفاق و اتحاد کی کوشش میں جانفشانی کر رہے ہیں، تو مختلف ادیان کے توحید پرست اس کے خلاف ایک مضبوط محاذ کیوں قائم نہ کریں۔

ایک پادری نے کہا کہ اگر اسلامی دنیا جو تین برِاعظموں پر پھیلی ہوئی ہے الحاد و اشتراکیت کے سیلاب میں بہ گئی، تو روس کو تمام دنیا پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے کسی ایٹم بم اور کسی ہائیڈروجن بم کی ضرورت نہ رہے گی۔ اس کا مقصد بغیر کسی جنگ کے پورا ہو جائے گا۔ ایک پادری نے کہا کہ میں کسی روشن ضمیر مسلمان کو عیسائی بنانے کی کوشش کو سعی لاحاصل سمجھتا ہوں۔ اور فرمایا کہ مثلاً خلیفہ عبدالحکیم کو عیسائی بنانے کی کوشش کس قدر بے معنی ہوگی۔ روحانیت کے تصوّراتِ اخلاق اور انسانی اقدار جنہیں وہ اسلام سے حاصل کرتا ہے اس پر کوئی عیسائی کیا اضافہ کریگا۔ کوشش تو یہ ہونی چاہیئے کہ اسی قسم کے عقائد کے لوگوں کی تعداد دنیا میں بڑھتی جائے۔ یہ امر محض ایک ثانوی حیثیت رکھتا ہے کہ زندگی کے متعلق یہ زاوئیۂ نگاہ کسی نے اسلام سے حاصل کیا یا مسیحؑ کی تعلیم سے۔

دو سال کے بعد اس امریکی جماعت نے پھر ان اغراض سے امریکی قوم کو روشناس کرانے کے لئے مجھے امریکہ میں ایک وسیع خطباتی دورے کے لئے مدعو کیا اور میرے ساتھ ایک نہایت مقدس شامی شیخ بہجت بیطار کو اس دورے میں شریک ہونے کے لئے بلایا۔ عالم عربی میں شیخ بیطار کو ان کے علم و فضل اور تقدس کی وجہ سے بڑا بلند مرتبہ حاصل ہے۔ جامعہ دمشق میں وہ تعلیم القرآن کے پروفیسر تھے اور سلطان ابنِ سعود مرحوم نے ان کو بغرضِ مشورہ اپنے ہاں بھی بلایا تھا۔ تاکہ حجاز میں دینی تعلیم کا کوئی اچھا نظام قائم کرنے میں معاون ہوں۔ ہم دو مسلمانوں کے ساتھ اس ٹیم میں دو عیسائی پادری شریک تھے۔ ان کی تقریروں کے موضوعات زیادہ تر یہ تھے۔ کہ اگر کوئی دو دین ایک دوسرے سے قریب ترین ہوسکتے ہیں، تو وہ اسلام اور عیسائیت ہی ہیں۔ مسلمان اہلِ کتاب کے صحیفوں پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ اہلِ کتاب کا جن انبیاء پر ایمان ہے وہ مسلمانوں کے لئے بھی واجب التعظیم ہستیاں ہیں۔ اہلِ کتاب اور اہلِ اسلام کے مقاماتِ مقدسہ زیادہ تر مشترک ہیں۔ اور مسلمان طلوعِ اسلام سے لے کر آج تک ان مقامات کے محافظ رہے ہیں۔ آج مسلمان تہذیب و تمدن

اور معاشی زندگی میں پس ماندہ نظر آتے ہیں۔ لیکن کون انکار کر سکتا ہے کہ صدیوں تک وہ علوم و فنون اور تہذیب و معاشرت میں عیسوی دنیا سے بہت آگے تھے۔ اور مغربی دنیا میں نشاۃ ثانیہ بہت کچھ ان کی رہینِ منت ہے۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کا مذہبی اور تہذیبی ورثہ بہت کچھ مشترک ہے۔ اگر دنیا کو مادیت اور الحاد سے بچا کر خدا پرستی اور انسان دوستی کی طرف لانا ہے تاکہ دنیا میں اخوت و حریت و مساوات عام ہو جائے، تو عصرِ حاضر کا یہ تقاضا ہے کہ عیسائی اور مسلمان تاریخی خصومت کی ناگوار یادوں کو بھلا کر ایسے اتحاد کی بنیاد ڈالیں جو دونوں کے لئے امن اور ترقی کا موجب ہو۔ یہ عجیب منظر تھا کہ اسلام کی خوبیاں کچھ ہم بیان کرتے تھے اور کچھ عیسائی پادری عیسائیوں کو تلقین کرتے تھے کہ زندگی کے ان وسیع خطوں میں مسلمانوں کے ساتھ تعاون برتیں جن میں دونوں کے اقدارِ حیات یکساں ہیں۔ عقائد میں کم و بیش اختلاف تو ہمیشہ باقی رہے گا۔ اور مختلف ملتوں کی امتیازی خصوصیتوں اور ان کے شعائر کو تو کوئی مٹا نہیں سکتا۔ لیکن "فاستبقوا الخیرات" میں خدا پرست ملتیں خلوص کے ساتھ تعاون برت سکتی ہیں۔

مسلمانوں کی طرف سے جا بجا بالتکرار یہ تقاضا ہوتا تھا کہ جب تک عیسائی کہلانے والی اقوام مسلمانوں کے جان و مال اور ان کی آزادی کے اتلاف میں اپنی قوتیں صرف کر رہی ہیں تب تک مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین دوستی کے جذبات پیدا نہیں ہو سکتے۔ عرب نمائندے کہتے تھے کہ عیسائی حکومتوں نے خصوصاً انگریزوں اور امریکنوں نے صیہونی یہودیوں کی مدد کر کے ایک اسلامی ملک کو یہودیوں کے حوالے کر دیا۔ فلسطین کے دس لاکھ عرب جن میں عیسائی بھی داخل ہیں بے خانماں ہو کر نہایت تلخی اور عسرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ الجزائر میں فرانسیسی مظالم کی کوئی انتہا نہیں۔ ایسی صورت میں دوستی کے جذبات کہاں سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ دور دور تک اس پر بحث ہوتی رہی کہ اس اخوت کوش جماعت کو حکومتوں کی ظالمانہ سیاست کے متعلق کیا رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔ امریکی نمائندے کہتے تھے کہ اگر ہم نے سیاسی امور میں موافقت اور مخالفت کا دروازہ کھولا تو اس میں ہمیں بڑی مشکلات کا سامنا ہوگا۔ عیسائی نمائندوں میں ایک بہت سربر آوردہ فرانسیسی مستشرق عالم ماسینوں بھی تھا جس نے اسلامی تصوف کا وسیع مطالعہ کیا ہے۔ اور منصور حلاج کی کتاب الطواسین کو ایڈٹ کیا ہے، اس نے کہا کہ اگر فرانس کے خلاف احتجاج کیا جائے تو میں اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ الجزائر میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ نہایت درجہ افسوسناک اور روح فرسا ہے اور فرانس میں کثرت سے ایسے لوگ ہیں جو اس کشت و خون کو روک کر مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم دینی اور انسانی ہمدردی کے دائرے کے اندر اپنی مساعی کو جاری رکھیں اور براہِ راست حکومتوں کے رویّہ کے خلاف احتجاج نہ کریں۔ اگر ہم نے سیاست میں کسی کی حمایت اور کسی کی مخالفت شروع کی تو اس مصالحت کوش جماعت کے اندر ہی اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ نمائندگان میں ایک یونانی بھی تھا۔ قبرص میں جو وحشت انگیزی جاری ہے اس کی بابت یونانیوں کا ایک زاویۂ نگاہ ہے جس سے وہاں کی مسلمان ترک اقلیت متفق نہیں۔ استنبول میں ترکوں نے ایک رات کے چند گھنٹوں میں یونانیوں کے کلیساؤں کا قلع قمع کر دیا ان کی دکانیں لوٹ لیں اور ایسی وحشتناک تباہی مچائی کہ ترکی حکومت اپنی عسکری قوت کے ساتھ بھی اس کا جلد سدِّ باب نہ کر سکی۔ یونانی نمائندے نے کہا کہ اگر قوموں کے مظالم کے خلاف یہاں احتجاج کی قرار دادیں پیش ہوں گی تو ہم

ترکوں کے خلاف احتجاج کرنے میں حق بجانب ہونگے۔ آخر فیصلہ یہی ہؤا کہ یہ جماعت مسلمانوں اور عیسائیوں کو انسانی ہمدردی، انصاف اور رحم کی تلقین کرے اور ان کے سیاسی اور مذہبی رہنماؤں کو تلقین کرے کہ وہ اپنے ادیان کی صلح کوشی کی تعلیم و تلقین پر عامل ہوں۔ عملی سیاست میں قدم رکھنے سے ہم اپنے مقصد کو پورا نہ کرسکیں گے۔ اقوام کی زندگی میں کئی اقسام کے دوائرِ عمل ہوسکتے ہیں۔ ہمارا دائرۂ عمل دینی، اخلاقی اور ثقافتی یک جہتی ہے۔ اگر ہم اس دائرہ کے اندر رہ کر کچھ مؤثر کام کرسکیں تو یقیناً حکومتوں کی سیاست پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔

اس دورے میں مجھ کو ممالک متحدہ امریکہ کی معاشرت، صنعت و حرفت اور سیاست کا مطالعہ کرنے کے بھی مواقع حاصل ہوئے۔ اس کے متعلق اپنے تاثرات انشاءاللہ آیندہ اشاعت میں سپردِ قلم کروں گا۔

حکمتِ رومی

مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب

قیمت تین روپے

اسلام کی بنیادی حقیقتیں

مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب

قیمت دو روپے آٹھ آنے

دینِ فطرت

مصنفہ محمد مظہرالدین صاحب صدیقی

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

ریاض السنہ

مصنفہ مولانا محمد جعفر شاہ صاحب پھلواروی

قیمت آٹھ روپے

افکارِ غزالی

مصنفہ مولانا محمد حنیف صاحب ندوی

قیمت پانچ روپے

افکارِ ابنِ خلدون

مصنفہ مولانا محمد حنیف صاحب ندوی

قیمت تین روپے

ملنے کا پتہ

سکرٹری ادارہ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور